منیر نیازی کی غزل میں تصورِ انسان

عارفہ بتول

Abstract:

Munir Niazi was a well knowned modern urdu poet. This article deals with man as a subject of his poetry. He exposes the materialistic selfish man of machine era.In his Ghazals, sensitive man, despite ostensible charms of metropolitian life, has been depicted as burdened with fear, lonliness and tiresome. Yet, man is optimistic about his future in this suffocating and tense environment.

منیر نیازی منفرد طرزِ اظہار اور جداگانہ لہجے کے شاعر ہیں۔ نظم کی طرح ان کی غزل بھی فنی و موضوعاتی ہر دو سطح پر انفرادیت کا عمدہ نمونہ ہے ۔ یہ منیر نیازی کا اختصاص ہے کہ انھوں نے غزل کی کلاسیکی روایت کے پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے جدید غزل کی فکری و اسلوبیاتی آبیاری کی ۔ان کا شعری کلیات ''ایک اور دریا کا سامنا'' ۲۰۰۸ء میں ان کی وفات کے دو سال بعد منظرِ عام پر آیا جس میں شاعر کا تمام مطبوعہ و غیر مطبوعہ کلام یک جا کیا گیا ہے۔ منیر نیازی کی غزل گوئی میں جا پانے والے متنوع موضوعات انھیں ہم عصروں سے ممتاز مقام عطا کرتے ہیں۔ ان کے ہاں

حسن و عشق کے مضامین بھی موجود ہیں اور حیات و کائنات پر نگاہِ عمیق بھی ڈالی گئی ہے ۔اسی طرح شاعر نے ہجرت کی لاحاصلی اور فسادات کی سلگتی آگ پر تپتے ذہنی کرب کے مضمون باندھنے کے علاوہ عصری صورتِ حالات کو بھی مختلف استعاروں اور علامتوں کے ذریعے پیکرِ شعر میں ڈھالا ہے ۔نیز جدید شہری زندگی کی الجھنوں کا بیان بھی ایسی فنی مہارت سے کیا ہے کہ غزلیہ اشعار کے مزاج میں تغزل بہ ہر صورت برقرار رہتا ہے۔ منیر نیازی کی غزل گوئی میں تصورِ انسان کا جائزہ لیا جائے تو انھی جا بہ جا پھیلے ہوئے موضوعات سے ان کے کلام میں جلوہ گر انسان کشید ہوتا ہے۔

عصری تناظر میں دیکھیں تو شاعر کا عہد اس انقلابی صدی سے موسوم ہے جس نے سائنس وٹیکنالوجی کا افسوں پھونکا اورکل عالم کو اپنی گرفت میں لے کر میکانکی معاشرے کی بنیاد رکھی ۔مشین کی ایجاد سے ملنے والی سائنسی سہولیات بلا شبہ انسان کا کارنامہ عظیم ہے لیکن باعثِ تاسف بات یہ ہے کہ اس ترقی نے مادہ پرست ماحول تشکیل دے کر لاتعلقی اور بے حسی عام کی ہے۔آج کے صنعتی دور میں انسان مادی آسائشات کا اسیر ہو کر تمام اخلاقی اقدار اور معاشرتی تقاضے فراموش کر چکا ہے ۔خودغرضی ،حسد اور طمع نے فرد کو کھوکھلا کر کے مصلحت پسند اور مفاد پرست بنا دیا ہے ۔نتیجتاً موجودہ انسان کی حصولِ زر کے لیے کی گئی تمام تر کاوشیں بھی اسے ذہنی آسودگی اور اطمینان ِ قلب مہیا کرنے میں ناکام دکھائی دیتی ہیں۔اس پر مستزاد شہری چکا چوند میں اجنبیت ،تنہائی، اداسی اور اکلاپے کی فضا نے جدید انسان کے ذہنی کرب کو مہمیز دی ہے ۔چناں چہ منیر نیازی کی غزل میں صورت پذیر انسان سیاسی معاشی و اخلاقی تنزلی کے باعث محض خوف ،تشویش اور دہشت زدگی کا ہی شکار نہیں بل کہ مادی ماحول سے بے زاری اور اکتاہٹ کے جلو میں عصری حساسیت کا آشوب بھی جھیل رہا ہے۔منیر نیازی کے مطابق عہدِ حاضر کا جدید انسان مادیت کی دوڑ میں اندھا دھند بھاگ رہا ہے۔اسے یہ احساس ہی نہیں کہ دولت کی ہوس انسان کو اخلاقی طور پر اندھے راستوں پر لے جاتی ہے صرف یہی نہیں بل کہ زر پرستی سے افرادِ معاشرہ بھی مختلف طبقات میں تقسیم ہو جاتے ہیں جس سے غیر منصفانہ گروہی نظام کو تقویت ملتی ہے ۔شاعر کے نزدیک 'بے حسی' موجودہ سماج کے اعصاب پر سوار ہے لہٰذا یہ ہر احساس کو زائل کر کے

روپے کو مقدم ٹھہراتی ہے۔ان کی غزلوں میں مادی زندگی کے پروردہ انسان کی ہوسِ زر سے محبت کے ضمن میں مختلف مقامات پر اشعار دیکھے جا سکتے ہیں۔ بہ طورِ مثال دو شعر ملاحظہ ہوں:

زر کی پرچھائیں جو پڑتی ہے چمک اٹھتا ہے
آدمِ خاک کی بے ہوشی میں حالت دیکھو (۱)

بستیوں کی زندگی میں بے زری کا ظلم تھا
لوگ اچھے تھے وہاں کے اہلِ زر اچھے نہ تھے (۲)

منیر نیازی کی غزل میں ظاہر ہونے والا حساس انسان زر گُزیدگی کو اس لیے نا پسند کرتا ہے کیوں کہ سارے رشتے تعلق واسطے زر کے زور پر تشکیل پاتے ہیں اور اسی حوالے سے منقطع ہوتے ہیں۔مزید براں مشین زدہ شہروں میں رشتوں کا تقدس بری طرح مجروح ہوا ہے ۔سو اس متحسس فرد کے لیے باہمی شفقت ،خلوص سچائی اور رواداری سے عاری 'اپنے لوگوں' میں زندگی بسر کرنا کسی طور عذاب سے کم نہیں۔وہ شہری زندگی سے اسی لیے اکتایا ہوا ہے کہ یہاں لاتعلقی و بے مروتی کے آسیب منڈلاتے پھرتے ہیں۔ان مادہ پرستوں کے انبوہ میں اسے اپنا آپ بے معنی محسوس ہوتا ہے۔ وجودی فلسفی سارتر کہتا ہے کہ فرد کا یہ احساس کہ زندگی بے مقصد و لایعنی ہے اسے اکتاہٹ کا شکار کر دیتا

ہے۔منیر کی غزل میں شہروں سے بے زار شخص کی اکتاہٹ بیش تر جگہ رنجیدگی میں منقلب ہو جاتی ہے ۔اس حوالے سے ڈاکٹر فتح محمد ملک اپنے مضمون ''منیر نیازی کا نیا شعری سفر'' میں رقم طراز ہیں:

''منیر کی شاعری میں شہر اور شہریوں کی نت نئی آفتوں پر باغیانہ گھن گرج کی بجائے ایک دائم بے چینی اور ایک صوفیانہ تحیر کے ساتھ دل کی آنکھ سے لہو رونے کا انداز کارفرما ہے۔'' ۳

جب شاعر کے پیش کردہ فرد کی بے اطمینانی دکھ میں بدلتی ہے تو وہ متمدن معاشرے کی اونچی اونچی کھڑکیوں میں بسنے والے نام نہاد مہذب انسانوں کی سفاک رسمِ قاہری اور منافقانہ طرزِ زیست پر تلملا اٹھتا ہے:

اس شہرِ سنگ دل کو جلا دینا چاہیے
پھر اس کی خاک کو بھی اڑا دینا چاہیے (۴)

شاعر کے ہاں اس تلملاہٹ کی وجہ انسان کا 'نا انسان' ہونا ہے ۔وہ کہتے ہیں کہ موجودہ انسان اپنے مکروہ اعمال کے باعث شرفِ انسانیت کھو چکا ہے ۔انھیں اپنے آس پاس نظر آنے والا انسان حیوان نما نظر آتا ہے اور حیوان بھی ایسا وحشی جس کے منہ سے خون کی بو آتی ہے ۔اس وحشی مخلوق کے دل کی موت واقعہ ہو چکی ہے جب کہ اس کا دماغ شر ریزی پر مستعد ہے ۔منیر کے نزدیک مادی معاشرے میں انسانوں کی اکثریت خواہ ان کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبے سے ہے' خود غرضی ،ریا کاری اور دھوکہ دہی میں ملوث ہے ۔اس پر مستزاد مقتدر اور صاحبِ اختیار لوگوں نے ظلم و نا انصافی اور بے رحمی کی جس فضا کو عام کیا ہے اس کی بدولت فساد و انتشار نے بار پایا ہے۔ان گم راہوں نے انسانوں کو سیدھے راستے سے در بدر کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے ۔منیر نیازی کی غزلوں میں ابھرنے والا انسان جفا پرست شہر کے مکینوں کو راہِ راست پہ لانے کی اپنی سی سعی کرنا چاہتا ہے مگر المیہ یہ ہے کہ بے مروت معاشرہ ایک ہم درد اور بے لوث انسان کو اپنے ماحول میں جگہ دینے کا روادار نہیں۔یہی وجہ ہے کہ یہ انسان تیز ہوا کے شور میں ایسے پھول کے مانند نظر آتا ہے جو تن تنہا معاشرتی بگاڑ درست کرنے کا عزم لیے ہے مگر بدنیت لوگوں کے زور دار تھپیڑوں سے اس کی پتی پتی بکھر رہی ہے ۔ذیل میں دیے گئے چند اشعار صداقت سے محروم عصر میں انسان کی تنہائی کا بیانیہ ہیں:

دشمنی رسمِ جہاں ہے دوستی حرفِ غلط
آدمی تنہا کھڑا ہے ظالموں کے سامنے (۵)

تم بھی منیر اب ان گلیوں سے اپنے آپ کو دور ہی رکھنا
اچھا ہے جھوٹے لوگوں سے اپنا آپ بچاتے رہنا (۶)

مکاں ہے قبر جسے لوگ خود بناتے ہیں
میں اپنے گھر میں ہوں یا کسی مزار میں ہوں (۷)

اس دیار ِ چشم و لب میں دل کی یہ تنہائیاں
ان بھرے شہروں میں بھی شامِ غریباں دیکھیے (۸)

ہم بھی آئے منیر ہستی میں
رسم تھی اک جسے نبھانا تھا (۹)

غزلیاتِ منیر میں مشینی زندگی کی چمک دمک میں تنہا ،اداس اور بے معنویت کا حامل انسان دہشت اور خوف میں مبتلا دکھائی دیتا ہے ۔منیر نیازی نے تو اس طرح کے جینے کے لیے 'بے معنویت' اور 'لایعنیت' ۱۰ کا پیمانہ بھی کوتاہ قرار دیا ہے۔ وہ روزنامہ 'جنگ' (۱۹۹۳ء) میں شائع ہونے والے اپنے ایک کالم میں ہر حساس طبع انسان کو درپیش سنگین عصری صورتِ حالات کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''بے معنویت اور لا یعنیت میں بھی کچھ معنی ہوتے ہیں ۔۔۔مگر جس صورتِ حال سے ہم دوچار ہیں یہ لایعنیت کی ذیل میں بھی نہیں آتی۔ یہ صورتِ حال فحش ہے۔ فحاشی صرف جنس سے ہی متعلق نہیں ہوتی یہ پورے طرزِ زندگی کو اپنے احاطے میں لے لیتی ہے اور اسے غلیظ کر دیتی ہے ۔انسانی رویے ،رشتے اخلاقیات ،اقتصادیات ہر شعبہ اپنی جگہ چھوڑ کر کسی نئی جگہ آباد ہونا چاہتا ہے ۔مگر ہو نہیں پاتا۔اس طرزِ حیات کے ہر پہلو سے کراہت محسوس ہوتی ہے ۔ہم اس سے باہر نکلنا چاہتے ہیں مگر کہیں کوئی راستہ نہیں ملتا۔'' (۱۰)

منیر نیازی کا کہنا ہے کہ ہم اپنے ٹھکانے سے ہلی ہوئی زندگی بسر کر رہے ہیں جہاں مسائل پنپتے ہیں انسان نہیں۔ شاعر کا یہ احساس لاچارگی اور لاحاصلی کے سبب ہے۔ ان کی غزل میں بے بسی کے بطن سے پھوٹے دہشت ، تحیر اور بے مقصدیت کے مضامین کہیں نا مساعد حالات میں رواجبر و استحصال کو مترشح کرتے ہیں، کہیں ان کی بُنت کاری میں شہری افراتفری اور نفسانفسی سے مہمیز پانے والی اجنبیت نے اپنا رنگ جمایا ہے ، کہیں ۴۷ء کی ہجرت سے رونما ہونے والے فسادات شعرِ منیر کو پر ہول بناتے ہیں اور کہیں خوف ،حیرت اور تشویش کے عناصر کی فراوانی کا مدار خالصتاً سیاسی بے چینی پر ہے۔ منیر کے شعری کینوس پر بکھرے بے شمار الفاظ اور تراکیب مثلاً دشتِ مرگ، مٹی پہ بیٹھی چیل، اجڑے شہر ، چیخ ، سنسان گلی ، وسعتِ شہر تنگ دل ، بے صدا سنگ و در، طلسمی شور، اجڑے مکان، اکیلے چپ نگر

اور سُو نے شہرایک حساس انسان کے حواس پر طاری خوف اور دہشت کو نشان زد کرتی ہیں۔جلیل عالی اپنے مضمون ''منیر نیازی ایک پورا شاعر'' میں منیر کے کلام میں رواج پانے والے پراسرار خوف سے متعلق لکھتے ہیں:

> ''۔۔۔یہ خوف مستقل طور پر ایک ایسے حساس اور شریف النفس فرد کا خوف ہے جسے معاشرے کی بدہیئتی ،اس کے لطیف احساسات اور بالیدہ شعور حسن وفضیلت کی سطح پر جینے نہیں دیتی۔نفرت وعناد،فتنہ وفساد، جبر واستحصال ،عدم تحفظ اور بے یقینی کے گھنے سائے اسے دہشت زدہ رکھتے ہیں۔وہ ہر آن خود کو دشمنوں کے درمیان گھرا ہوا محسوس کرتا ہے۔'' (۱۱)

منیر نیازی کی غزلوں میں یہ شریف النفس انسان مادی زندگی کے زائیدہ ذہنی کرب کے علاوہ اپنے وطن کے سیاسی حالات کی بے اعتدالی کے باعث ہرلمحہ جاری بے یقینی اور اضطراب کی کیفیت سے بھی خوف زدہ ہے۔تقسیم ہند کے بعد ہجرت کے نتیجے میں مہاجرانسان اپنے ساتھ یادِ ماضی کا عذاب بھی لایا تھا۔اس نے فسادات کی آگ اپنے آنکھوں سے دیکھی تھی۔یہ زخم ابھی مندمل بھی نہیں ہوئے تھے کہ مملکتِ خدادا پر یکے بعد دیگرے قابض ہونے والے حاکمین نے آزادی کے سارے خواب ریزہ ریزہ کر دیے۔ان گم راہ رہنماؤں نے معصوم انسانوں کو سیدھے راستے سے در بدر کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔قیامِ پاکستان کے بعد ملک کا سیاسی طور عدم مستحکم ہونا، راہبروں کا رہزن بن جانا، جمہوری حکمرانوں کا عوام کو لوٹنا اور خزانے خالی کر کے معیشت تباہی کے دہانے پہنچا دینا وہ تلخ حقائق ہیں جن سے کوئی بھی صاحبِ ضمیر شخص بے تعلق نہیں رہ سکتا۔ چناں چہ منیر نیازی کے کلام میں ظاہر ہونے والا دزکی الحس انسان ایک محبّ الوطن کی حیثیت سے ملک میں برپا سیاسی ومعاشی آشوب پر گریہ زاری کرتا ہے۔ یہ فرد کسک، ملال، خوف، حیرت، دہشت اور اندوہ کے آپسی تال میل سے عجیب نفسیاتی کش مکش اور منتشر الدماغی کی اذیت سہتا نظر آتا ہے۔ درج ذیل اشعار اس امر کے موید ہیں:

دیکھیں ہیں وہ نگر کہ ابھی تک ہوں خوف میں
وہ صورتیں ملی ہیں کہ ڈر جائے آدمی (۱۲)

منیر اس ملک پر آسیب کا سایہ ہے یا کیا ہے
کہ حرکت تیز تر ہے اور سفر آہستہ آہستہ (۱۳)

صرصر کی زد میں آئے ہوئے بام و در کو دیکھ
کیسی ہوائیں کیسا نگر سرد کر گئیں (۱۴)

خوف دیتا ہے یہاں ابر میں تنہا ہونا
شہرِ در بند میں دیواروں کی کثرت دیکھو (۱۵)

منیر نیازی کی غزلوں میں موجود انسان کے حوالے سے یہ بات بیان کی متقاضی ہے کہ وہ تمام تر حزن ،اداسی ،خارجی انتشار اور حبس زدہ ماحول سے ڈرے سہمے ہونے کے باوجود مستقبل سے نا امید نہیں ۔یہ فردنا ساز ما حول میں روا اخلاقی تنزلی پر کوئی با قاعدہ علمِ بغاوت بلند کرنے کے بجائے صبر و استقامت کے ساتھ سختیِ ایام سے نبرد آزما ہے۔اس اعتبار سے منیر کی غزلیات میں متشکل انسان کا رجائی انداز دیدنی ہے ۔یہ انسان عصری حالات میں فروغ پانے والی منفیت کو پسِ پشت ڈال کر لوگوں سے مثبت حیاتِ نو کے آغاز کی توقع رکھتا ہے۔ نیز ایک صاحبِ ایمان انسان کے ناتے اس کا ایقان ہے کہ ظلمت کدوں پر چھائی رات ضرور اک روز امیدوں کا سویرا بن کر نور پھیلائے گی۔منیر کی غزلوں میں ایسے اشعار کی کمی نہیں جہاں انسان زندگی سے متعلق مثبت زاویۂ فکر کی ترجمانی کرتا ہے۔اس ضمن میں دو مثالیں توجہ طلب ہیں،ملاحظہ ہوں:

آئے گی پھر بہار اس شہر میں منیر
تقدیر اس نگر کی فقط خارو خس نہیں (۱۶)

مر گئے تو پھر کہاں یہ حسن زار زندگی
زخمِ دل گہرا بہت ہے پھر بھی جینا چاہیے (۱۷)

غرض مجموعی طور پر منیر نیازی کی غزلیات ایک ایسے انسان کی نقش گر ہیں جو طمع ،حرص اور نفسانفسی سے آراستہ ماحول میں دم بہ خود کھڑا یہ سوچ رہا ہے کہ یہ کیسی سائنسی ترقی ہے جس نے آدم زادوں کو چوپایہ صفت بنا دیا ہے۔ایسے مشینی دور میں جہاں 'انسان' اور 'انسانیت' ڈھونڈنے سے بھی میسر نہ آئیں وہاں خاکی نہاد 'مہذب انسان' ہونے کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے؟اس نوعیت کے کئی سوالات میں گھرا انسان ملال ،خوف اور تنہائی کی کیفیات سمیت منیر کی غزل میں وارد ہوا ہے۔علاوہ ازیں منیر نیازی کے ہاں صورت پذیر حساس انسان کی ایک وجہِ امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ ساری زندگی بے ثمر رہنے کے باوجود منفی طرزِ عمل اپنانے پر آمادہ نہ ہوا۔

حوالے وحواشی:

(۱) منیر نیازی، ایک اور دریا کا سامنا (کلیات)، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۸، ص ۳۸۹
(۲) ایضاً ، ص ۷۰۷
(۳) فتح محمد ملک، ڈاکٹر، تحسین و تردید، راول پنڈی: اثبات پبلی کیشنز، ۱۹۸۴ء، ص ۲۳۴

(۴) منیر نیازی، ایک اور دریا کا سامنا، ص۲۹۳

(۵) ایضاً ، ص۴۰۱

(۶) ایضاً ، ص۴۰۲

(۷) ایضاً ، ص۳۹۵

(۸) ایضاً ، ص۲۱۹

(۹) ایضاً ، ص۵۰۴

(۱۰) لایعنیت (Absurdity) وجودیت کی اصطلاح ہے۔ فلسفۂ وجودیت فرد کی کامل آزادی اور خودمختاریت کا اعلان کرتا ہے لیکن جب انسان کو انفرادی آزادی کسی صورت میسر نہیں آتی تو وہ زندگی کو بے مقصد و لایعنی خیال کرنے لگتا ہے۔ سارتر نے صنعتی انقلاب، شہری بے حسی اور عالمی جنگوں سے متنفر ہو کر دنیا کو غلاظت کا ڈھیر کہا جہاں انسان بلا جواز پھینک دیا گیا ہے اور بے معنی زندگی جی رہا ہے۔ لایعنیت اور بے معنویت کی وضاحت کے لیے وجودی مفکر البرٹ کامیو کے ناول 'The Out sider' کا مرکزی کردار بہ طور مثال پیش کیا جاتا ہے۔ ناول کا ہیرو میرو سالٹ ایک (مضطرب مگر لاتعلق انسان ہے اپنی ماں کی میت دفن کر کے مزاحیہ فلم دیکھتا ہے۔ دفتری ترقی کی خبر اسے کوئی خوشی نہیں دیتی۔ عورت سے محبت کرتا ہے لیکن اسے کسی رشتے میں باندھنے کا قائل نہیں۔ اس بے تکی زندگی میں وہ بلا وجہ ایک قتل بھی کرتا ہے۔

(۱۱) جلیل عالی، ''منیر نیازی ایک پورا شاعر''، مشمولہ: سمبل (سہ ماہی)، شمارہ ۱۳، ج ۱، ۲۰۰۷ء، ص ۲۷

(۱۲) منیر نیازی، ایک اور دریا کا سامنا، ص۴۹۱

(۱۳) ایضاً ، ص۴۱۲

(۱۴) ایضاً ، ص۳۰۵

(۱۵) ایضاً ، ص۳۸۹

(۱۶) ایضاً ، ص۵۰۲

(۱۷) ایضاً ، ص۲۰۲

◁▷